بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ اقبال اور سنت نبوی

پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف

(صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مجتھدین اور سلف صالحین اس بات پر متفق رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اسلامی احکام کا قرآن مجید کے بعد سب سے بڑا اور سب سے اہم مآخذ ہے (۱)، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار مواقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت پر زور دیا ہے اور اُسے اپنی ذات گرامی سے محبت قرار دیا ہے (۲)، جبکہ کئی مقامات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری قرار دیا گیا، چنانچہ سورۃ النسآء میں ارشاد ہے:

مَن يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۳) جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے بے شک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

حدیث اور سنت کا مفہوم:

لفظی اعتبار سے اگرچہ حدیث اور سنت میں واضح فرق ہے، سنت کے مفہوم میں عمل کا اور حدیث کے لفظ میں قول کا پہلو غالب ہے، لیکن عملی طور پر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اس کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ قرآن مجید میں لفظ سنت کا استعمال ''فطرت'' (Nature) یا دستور الٰہی وغیرہ کے مفہوم میں ہوا ہے، مثال کے طور پر ایک جگہ فرمایا:

فَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَبْدِیلاً وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰہِ تَحْوِیلاً......(۴)

سو تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور اس کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تجد لِسُنَّتِ اللَّہِ تحویلاً......(۵)

جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے ان کا (اوران کے بارے میں ہمارا یہی) طریق چلا آتا ہے اور تم ہمارے طریقے میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔

جبکہ قرآن مجید میں لفظ حدیث کا اطلاق قرآن مجید اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر کیا گیا ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثاً...... (۶)

(اور یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی۔

نیز فرمایا:

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّث ...... (۷)

اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کر

ایک مقام پر قرآن مجید کو بھی ''حدیث'' قرار دیا گیا ہے (۸)۔

اصطلاح شریعت میں بھی دونوں میں عمل اور قول کے لحاظ سے فرق کیا گیا ہے، عام طور پر سنت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مراد لیے جاتے ہیں۔

تاہم چونکہ دونوں میں فرق لفظی ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں قول اور فعل میں تضاد اور مخالفت کو پسند نہیں کیا گیا اور ہر جگہ ایسے لوگوں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے جو وہی کچھ کرتے ہیں جو کچھ وہ اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں (۹) جبکہ نبی کی ذات دنیا کے لیے اسوۂ حسنہ اور عمل کا مکمل نمونہ ہوا کرتی ہے، اس لیے نبی کا قول اس کے فعل کے اور اس کا فعل اس کے قول کے مطابق ہوا کرتا ہے، اسی

بناپر لفظی تفاوت کے باوجود حدیث اور سنت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اسی بناپر فقہاء نے لکھا ہے کہ ''ہر وہ قول اور فعل جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یا جس کے متعلق آپ نے کچھ ارشاد فرمایا ہو، سنت ہے اور جب کوئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارکہ سے سن کر یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھ کر اُسے آگے روایت کرے، تو اُسے حدیث کہا جاتا ہے (۱۰)۔ اس تعریف کی رو سے سنت اور حدیث میں فرق بیان اور روایت کے اعتبار سے ہے اور دونوں میں فرق محض لفظی ہے، ورنہ دونوں کا مصداق اور معنی ومفہوم ایک ہی ہے.

۲۔ عصر حاضر میں حدیث اور سنت کے بارے میں ہونے والے مباحث اور ان کا پس منظر

حدیث اور سنت کے معنی ومفہوم پر ہونے والی مذکورہ بحث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حدیث اور سنت ایک ہی شے کے دو نام ہیں، یا ایک ہی مفہوم کی دو تعبیریں ہیں، یہی وجہ ہے کہ ائمہ سلف سے دونوں کے مابین کوئی فرق وامتیاز مروی نہیں اور ہر زمانے کے فقہاء نے حدیث اور سنت سے ایک ہی شے مراد لی ہے اور اُسے بلاتفریق، فقہی مسائل ومعاملات کے لیے ایک اہم اور بنیادی مآخذ تصور کیا ہے، البتہ عصر حاضر کے کچھ جدت پسندوں نے یہ بحث اٹھائی ہے کہ حدیث اور سنت کے مابین فرق ہے اور یہ کہ ''سنت'' حجت ہے، مگر حدیث حجت نہیں ہے، دوسرے لفظوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تو حجت ہے، مگر قول حجت نہیں ہے۔ بعد ازاں اس میں مزید تفریق کی گئی اور یہ کہا گیا کہ صرف سنت متواترہ حجت ہے،...... اور غیر متواتر سنتیں حجت نہیں ہیں (۱۱)، یہ مغالطہ انگیز فلسفہ منکرین حدیث ہی کے ایک گروہ کا نقطۂ نظر ہے۔

۳۔ علامہ اقبال اور سنت نبوی

جہاں تک علامہ اقبال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ یا حدیث نبویہ کا تعلق ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ اقبال دوسرے فقہاء اور ماہرین اصول فقہ سے اس بارے میں متفق

ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اسلامی قوانین کے لیے بنیادی مآخذ ہے چنانچہ انہوں نے اپنے خطبہ ''الاجتہاد (فی الاسلام) میں اس کے مآخذ قانون ہونے کے حوالے سے لکھا ہے:

''اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی مآخذ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ماضی اور حال ہر زمانے میں بڑی شدید بحثوں کا موضوع رہیں'' (۱۲)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی احادیث مبارکہ علامہ اقبال کا خصوصی موضوع رہی ہیں، علامہ اقبال کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت نہیں، بلکہ عشق تھا۔ چنانچہ وہ اپنے اردو اور فارسی کلام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ جس طرح اظہار محبت کرتے ہیں، اس کی مثال اردو اور فارسی کی شاعری میں بہت کم ملتی ہے''۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری (۱۳)

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہؑ و نجف (۱۴)

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو (۱۵)

عشق دم جبریل، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام (۱۶)

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است (۱۷)

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا

محمد عربی سے ہے عالم عربی (۱۸)

تیرے صید زبوں فرشتۂ و حور
شاہین شہ لولاک ہے تو (۱۹)

اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی میرا ایمان ہے زناری (۲۰)

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ(۲۱)

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے خدا کا رسول بس (۲۲)

الغرض علامہ اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کے کلام میں ''ذات نبوت'' کو جس طرح مرکز عشق و مستی، مرکز صدق و یقین اور مرکز ایمان و یقین قرار دیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت سے انسانی زندگی کو روشن اور منور کرنے کے آرزومند تھے، اسی لیے انہوں نے سیرت طیبہ کے مختلف واقعات کو بھی اپنے شاعرانہ تخیل کی اساس بنایا ہے، اسی بنا پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے علامہ اقبال کے متعلق لکھا ہے:

> ''حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں، پرانے مولوی (بھی) کان کھڑے کر لیتے ہیں اور پہلو بدل بدل کر تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر آف فلاسفی ان کے ٹھیٹھ مفہوم پر ایمان رکھتا تھا اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں شک کا گزر نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان کے سامنے بڑے اچنبھے

کے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب ثلاثہ کے ساتھ کوہ اُحد پر تشریف فرما تھے، اتنے میں اُحد لرزنے لگا، حضور نے فرمایا ٹھہر جا ''تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں ہے، اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا۔ اقبال نے حدیث سنتے ہی کہا، اس میں اچنبھے والی کون سی بات ہے، میں اس کو استعاۂ و مجاز نہیں بالکل ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لیے کسی تاویل کی حاجت نہیں، اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے آ کر مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں، مجازی طور پر نہیں۔ واقعی طور پر لرز اٹھتے ہیں (۲۳)۔

مولانا کا یہ تجزیہ اُس اقبال کے بارے میں تو درست ہے، جس نے اردو اور فارسی کو اپنے اظہار خیال کے ذریعہ بنایا ہے، لیکن اُس اقبال کے بارے میں شاید درست نہ ہو، جس نے Reconstruction of Islamic Thought (اردو ترجمہ تشکیل جدید الہٰیات) لکھی ہے،...... اس لیے کہ تشکیل جدید الہٰیات میں علامہ اقبال کے حدیث کے متعلق خیالات حدیث کے بڑے محدود کردار کے آئینہ دار ہیں،...... چنانچہ معروف ماہر اقبالیات پروفیسر مرزا محمد منور ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ کے مزاج میں انتقاد کے ساتھ اعتدال کا پہلو بھی زوردار ہے، وہ حدیث کے منکر تو نہ تھے، وہ حدیث کی افادیت اور صحت کے باب میں بھی مبالغے کے بھی قائل نہ تھے۔ نہ سارا مجموعہ احادیث قابل قبول اور نہ ان کے ایک مفید مآخذ فقہ ہونے سے سر بسر انکار۔ ایک توازن ایک احتیاط، تاہم وہ ماضی کی کاوشوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتے ہیں''۔ (۲۴)

دراصل علامہ اقبال کے خیالات وافکار پر مستشرقین، خصوصاً ہنگری کے معروف سکالر گولڈ صیہر کے خیالات کا کافی اثر تھا، چنانچہ وہ اپنی کتاب تشکیل جدید الہٰیات کے خطبہ ''الجہاد فی الاسلام''

میں لکھتے ہیں:

''اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی مآخذ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو ماضی اور حال ہر زمانے میں بڑی بڑی شدید بحثوں کا موضوع ہیں، عہد حاضر کے ناقدین میں سے پروفیسر گولڈصیہر نے توان قوانین کی رو سے جن کا تعلق تاریخی تنقید سے ہے، احادیث کے بارے میں بڑے تفحص سے کام لیا ہے اور اس کا کہنا یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی ہمیں ان کو نا قابل اعتبار ٹھہرانا چاہیے، ایسے ہی ایک دوسرے مغربی اہل قلم نے اول تو صحت وعدم صحت حدیث کے ان طریقوں پر نظر ڈالتے ہوئے، جو مسلمانوں میں رائج ہیں، ذیل کا نتیجہ اخذ کیا ہے''(۲۵)۔

بعد ازاں اقبال نے اس مغربی محقق (Aganides) کی رائے نقل کی ہے، جو مالیات کے موضوع پر ان کی کتاب ''اسلامی نظریہ ہائے مالیات''(۲۶) سے ماخوذ ہے، جس کی رو سے اُس نے کچھ تاریخی نظریات قائم کیے ہیں اور ان کا اطلاق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پر کیا ہے، اور ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے:

''لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہاں جو مجموعہ ہائے احادیث معتبر ٹھہرائے جاتے ہیں، ان کا زائد حصہ فی الواقع اسلام کے ظہور اور ابتدائی نشوونما کی حقیقی تاریخ ہے''(۲۷)۔

اس اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے ذہن میں حدیث کی روایت اور اس کے استناد کے متعلق بہت سے شکوک وشبہات تھے، جو یقیناً ان کے مغربی کتابوں کے مطالعہ کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے، ......یا کم از کم انہیں احادیث کی صحت کے متعلق مکمل طور پر اطمینان نہیں تھا، چنانچہ نامور ماہر اقبالیات پروفیسر محمد فرمان ''اقبال اور منکرین حدیث'' میں لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال کا سکوت اور ایک طرح کا اطمینان یہ شبہہ پیدا کرتا ہے کہ علامہ مرحوم کو پروفیسر موصوف (گولت صیہر) سے اختلاف نہیں ہے''(۲۸)۔

بایں ہمہ علامہ اقبال کا شمار کسی بھی پہلو سے ''منکرین حدیث'' کے زمرے میں نہیں کیا جا سکتا، البتہ وہ اس بات کے قائل ضرور تھے کہ عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لیے جدید تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور احادیث کے مطالعہ کے دوران اس بات پر بھی توجہ مرکوز کی جائے کہ احادیث مبارکہ میں سے کتنی احادیث مقامی رسم ورواج پر مبنی ہیں (۳۰)۔

علامہ اقبال نے احادیث کی معتبر کتابوں کو ایک دوسرے پہلو سے اسلام کی حقیقی تاریخ قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے یہاں جو مجموعہ ہائے احادیث معتبر ٹھہرائے جاتے ہیں، ان کا زائد حصہ فی الواقع اسلام کے ظہور اور ابتدائی نشو ونما کی تاریخ ہے'' (۳۱)۔

اسی کتاب میں وہ مزید فرماتے ہیں:

''حدیث کا مطالعہ اگر اور زیادہ گہری نظر سے کیا جائے اور ہم ان کا استعمال یہ سمجھتے ہوئے کریں کہ وہ کیا روح تھی، جس کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام قرآنی کی تعبیر فرمائی، تو اس سے ان قوانین کی جہاتی قدر و قیمت کے فہم میں اور بھی آسانی ہوگی جو قرآن پاک نے قانون کے متعلق قائم کیے ہیں، پھر یہ ان اصولوں کی جہاتی قدر و قیمت ہی کا پورا پورا علم ہے، جس کی بدولت ہم اپنی فقہ کے بنیادی مآخذ کی از سر نو تعبیر اور ترجمانی کر سکتے ہیں'' (۳۲)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ اور مغربی منابع حدیث کے متعلق استفادہ کرنے کے باوجود علامہ اقبال کے نقطۂ نظر سر سید احمد خان اور ان کے پیروکاروں سے قطعی طور پر مختلف تھا، جنہوں نے حدیث سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ ان کی تدوین دوسری تیسری صدی ہجری میں ہوئی ہے، جب کہ علامہ اقبال کے ہاں ہمیں اگرچہ قدامت پرستوں کی طرح کی سختی نہیں ملتی، تاہم ہمیں جدت پسندوں کی طرح کی حدیث سے مکمل طور پر بے اعتنائی بھی نظر نہیں کرتی۔

علم الحدیث اور عربی قوانین

علامہ اقبال کے کلام کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں خصوصی طور پر ایک اور بات کی طرف بھی رہنمائی ملتی ہے، یہ عربی رسوم و رواجات یا قدیم عرب قوانین کے اصولوں کا مطالعہ ہے۔ جیسا کہ ہم شروع میں ذکر کر آئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں قولی اور فعلی احادیث کے علاوہ ''تقریری'' احادیث کا بھی بہت بڑا ذخیرہ ملتا ہے، اس سے مراد ایسی احادیث ہیں، جن میں کسی ایسے کام کرنے کا ذکر آتا ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انجام دیا گیا اور آپ نے اُسے منع نہیں فرمایا، یا ایسا عمل جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیا جاتا تھا اور آپ کو اس کا علم تھا، مگر اس کے باوجود آپ نے اس سے لوگوں کو نہیں روکا (۳۳)۔

اس کی عملی مثالیں بہت سی ہیں، مثال کے طور پر حضرت جابرؓ کا یہ قول:

کنا نعزل علیٰ عهد رسول الله	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب قرآن
صلی الله علیه وسلم	نازل ہو رہا تھا، اہم عزل (مانع حمل کا ایک طریقہ)
والقرآن ينزل (۳۴)	اختیار کرتے تھے۔

اسی طرح نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت خالد بن ولید کا گوہ کا گوشت کھانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسے منع نہ فرمانا بھی اسی سلسلے کی ایک مثال ہے (۳۵)۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور دوسرے بزرگوں کے اقوال میں بھی قدیم عربی رسوم و قوانین کا تذکرہ ملتا ہے، جو مرور ایام سے اسلامی قوانین کا حصہ بن گئے ہیں، علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں ان عربی رسوم کی طرف توجہ دلائی ہے،...... وہ لکھتے ہیں:

''ہمیں چاہیے کہ ان احادیث کو جن کی حیثیت سر تا سر قانونی ہے، ان احادیث سے الگ رکھیں، جن کا قانون سے کوئی تعلق نہیں، پھر اول الذکر کی بحث میں بھی ایک بڑا اہم سوال یہ ہوگا کہ ان میں عرب قبل الاسلام اس رسم و رواج کا جسے جوں کا توں چھوڑ دیا گیا، یا جس میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی بہت ترمیم کر دی، کس قدر حصہ موجود ہے، لیکن یہ وہ حقیقت ہے کہ جس کا

اکتشاف مشکل سے ہی ہو سکے گا، کیونکہ علمائے متقدمین شاذ ہی اس رسم و رواج کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ہمیں تو شاید یہ (بھی) معلوم نہیں کہ جن رسم و رواج کو جوں کا توں چھوڑ دیا گیا، خواہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بالصراحت منظوری دی یا خاموشی اختیار فرمائی، اس پر کیا سچ مچ ہر کہیں اور ہر زمانے میں عمل کرنا مقصود تھا۔ شاہ ولی اللہ نے اس سلسلے میں بڑی سبق آموز بحث اٹھائی ہے(۳۶)۔

علامہ نے اس اقتباس میں جو سوال اٹھایا ہے، وہ بڑی معنویت رکھتا ہے، مگر صورت حال وہ نہیں ہے، جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے، اس لیے کہ قدیم رسم و رواج ہر زمانے کے فقہاء اور مجتہدین کے پیش نظر رہے ہیں اور جن احکام کی بنیاد قدیم عرب کے مقامی اور علاقائی رسوم و رواج پر تھی، ان میں فقہاء نے علاقہ اور حالات کے بدلنے سے تبدیلی حکم کا فتوی صادر کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ نہیں دکھائی، ...... خود علامہ اقبال نے شاہ ولی اللہ دھلوی کا ذکر کیا ہے، ...... شاہ صاحب نے قدیم رسوم و رواجات کے حوالے سے بڑی عمدہ اور مدلل بحثیں کی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''یہ یاد رکھیے کہ ارتقاقات میں سے رسوم کو وہی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو کہ انسانی بدن میں سے قلب کو شرائع (خداوندی) میں، ابتدائی اور ذاتی طور پر یہی مطلوب مقصود ہوتی ہیں قوانین الٰہیہ میں ان سے بحث کی جاتی ہے اور انہی کی طرف اشارات ہوتے ہیں''(۳۷)۔

مختصر یہ کہ علامہ محمد اقبال کا حدیث وسنت سے جذباتی رشتہ تو بہت مضبوط تھا، مگر عقلی طور پر وہ اس بارے میں بڑے محتاط تھے۔

حواشی وتعلیقات

۱۔ دیکھیے ڈاکٹر صبحی المحمصانی: فلسفۃ التشریع الاسلامی، ص ۵۱۴۔

۲۔ القرآن الکریم، آل عمران (۳/۳۱)، نیز دیکھیے محمد فؤاد عبدالباقی معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، بذیل مادہ طاع، رسول، نبی، وغیرہ۔

۳۔ النساء (۴/۸۰)۔

۴۔ فاطر، (۳۵/۴۳)۔

۵۔ بنی اسرائیل، (۱۷/۷۷)۔

۶۔ التحریم (۶۶/۳)۔

۷۔ الضحیٰ (۹۲/۱۱)۔

۸۔ المرسلات (۷۷/۵۰)۔

۹۔ البقرہ (۲/۴۴)؛ الصف (۶۱/۲۔۳) دونوں مقامات پر ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے، جو قول کے مطابق عمل کرتے ہیں اور ان کے قول وفعل میں تضاد نہیں ہوتا۔

۱۰۔ محمد ادریس میرٹھی، سنت کا تشریعی مقام قرآن مجید کی روشنی میں، مطبوعہ کراچی، مکتبہ اسلامیہ مسافر خانہ، بندر روڈ، بدون تاریخ، ص ۵۲۷۔

۱۱۔ مولانا امین احسن اصلاحی کے مکتبہ فکر خصوصاً ان کے بعض شاگردوں کا یہی خیال ہے۔

۱۲۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مطبوعہ بزم اقبال لاہور، مترجم سید نذیر نیازی، ص ۲۶۳ تا ۲۶۷۔

۱۳۔ کلیات اقبالؒ، ص ۲۵۳۔

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۰۸۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۸۶۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۹۱۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۵۲۶۔

۱۹۔ ایضاً،ص ۳۷۶۔

۲۰۔ ایضاً،ص ۳۳۰۔

۲۱۔ ایضاً،ص ۳۱۷۔

۲۲۔ ایضاً،ص ۲۲۵۔

۲۳۔ مثلاً دیکھیے سرگزشت آدم (کلیات،ص ۸۱) حضرت بلال (ص،۸۰)؛ ہندوستانی بچوں کا گیت (ص، ۸۷)؛غرہ عید (ص ۱۸) وغیرہ؛ محمد حسین (مدیر): جوہر، خصوصی (شمارہ بیادگار اقبال) مکتبہ جامعہ نو دہلی۔ بمبئی باردوم ۱۹۴۰ء،ص ۶۷۔

۲۴۔ اقبال فکر اسلامی کی تشکیل جدید، جامعہ کراچی، بارنو، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور، بدون تاریخ،ص ۲۵۶۔

۲۵۔ تشکیل جدید،ص ۲۶۳۔۲۶۴۔

۲۶۔ اس کا انگریزی نام Muhammadan Theories of Finance ہے۔

۲۷۔ تشکیل جدید،ص ۲۶۵۔

۲۸۔ اقبال اور منکرین حدیث، مکتبہ مجددیہ، گجرات ۱۹۶۳ء،ص ۱۹

۲۹۔ علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات، خطبہ چہارم، الاجتھاد فی الاسلام،ص ۲۴۱۔۲۴۲

۳۰۔ ایضاً،ص ۲۴۲۔

۳۱۔ محمد الخضری، تاریخ التشریع الاسلامی۔

۳۲۔ ایضاً،ص ۲۶۷۔

۳۳۔ مقالہ حدیث۔ در اردو دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ۔

۳۴۔ بخاری؛ مسلم (کتاب النکاح، باب العزل)۔

۳۵۔ ابوداؤد، کتاب الاطمعہ۔

۳۶۔ ایضاً،ص ۲۶۵۔

۳۷۔ شاہ ولی اللہ دھلوی، حجۃ اللہ البالغہ،ص ۱۳۵۔